© rasailojaraid.com

برصغیر کے دینی مدارس کی عظیم دینی خدمات

ڈاکٹر محمود احمد غازی☆

برصغیر میں مسلمانوں کی تعلیمی روایت انتہائی تابناک اور انتہائی خوش آئندہ رہی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا بارہ سو سالہ دور حکومت علمی تعلیمی اور فکری اعتبار سے ایک نمایاں اور قابل ذکر دور ہے۔ یہاں کے اہل علم نے تعلیم کے میدان میں جو روایات قائم کیں، ان سے کسب فیض کے لئے سنٹرل ایشیا اور موجودہ رشین فیڈریشن کے انتہائی آخری کناروں سے، حتی کہ مشرقی یورپ کے علاقہ ''بوسنیا'' سے مصر اور عرب دنیا کے **مختلف گوشوں** سے اہل علم اور طلباء کسب فیض کے لئے آیا کرتے تھے۔ بوسنیا کے **رئیس العلماء اور شیخ الاسلام** ڈاکٹر مصطفیٰ قریشی نے بتایا کہ ان کے ''جد امجد'' برصغیر کے مختلف **علاقوں** سے کسب فیض کر کے گئے تھے اور یہاں کی علمی روایت کا چرچا وہ بچپن میں اپنے **والدین** دادا اور اپنے بزرگوں سے سنتے چلے آئے ہیں۔

''ٹھٹھہ'' جو ایک بڑا دور افتادہ شہر تھا، ٹھٹھہ کبھی مرکز سیاست نہیں تھا، کبھی مرکز حکومت نہیں تھا، کبھی تجارت کا مرکز نہیں تھا، ثقافت کا کوئی نمایاں مرکز نہیں تھا، لیکن ٹھٹھہ جیسے شہر میں چار سو مدارس کی موجودگی کا مؤرخین نے ذکر کیا ہے۔ دہلی کے اس زمانے میں جب دہلی اپنی حیثیت کھو چکی تھی، جب میر تقی اپنا مشہور قطعہ دہلی کے بارے میں کہہ چکے تھے کہ ''ہم رہنے والے ہیں اس اجڑے دیار کے'' جب وہ اجڑا دیار بن چکا تھا۔ اس وقت مغربی تذکرہ نگاروں اور سیاحوں نے لکھا ہے کہ اس وقت بھی دہلی کے شہر میں ایک ہزار مدارس موجود

☆ چانسلر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، سابق وفاقی وزیر مذہبی امور، ممبر مجلس ادارت مجلہ علوم اسلامیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے۔ محمد تغلق جو برصغیر کے اسلامی دور کے وسطی زمانے میں ایک بڑا نامور حکمراں رہا ہے، اس کے زمانے میں مشہور سیاح ''ابن بطوطہ'' نے ہندوستان کا دورہ کیا، محمد تغلق دربار میں اس وقت تک نہیں بیٹھتا تھا، جب تک کم از کم چار سو علماء فقہاء اس کے دسترخوان پر موجود نہ ہوں، گویا جب بادشاہ کے دربار میں چار سو علماء وفقہاء موجود ہوں گے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ معاشرہ میں علم وتعلیم کا چرچا کتنا رہا ہوگا۔

ایک انگریز مصنف نے لکھا ہے کہ جب انگریز ہندوستان میں آئے (ہندوستان کے حالات اس نے بیان کئے ہیں) تو اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں میں تعلیم کی سطح کا معیار سو فیصد تھا۔ یہ ۱۸۳۹ء کی بات ہے، یعنی مسلمانوں میں تعلیم کی سطح سو فیصد تھی اور بحیثیت مجموعی پنجاب میں جو دور افتادہ صوبہ تھا، مرکز حکومت بھی نہیں تھا اور مرکز ثقافت بھی نمایاں طور پر نہیں تھا۔ یہ تو لکھنؤ شیراز اور دوسرے علاقے تھے، یہاں مسلمانوں اور غیر مسلم دونوں کو ملاکر ۸۴ فیصد تعلیم کی شرح تھی، گویا کہ بحیثیت مجموعی پنجاب میں ۸۴ فیصد اور مسلمانوں میں سو فیصد تعلیم تھی۔

لیکن جب انگریز یہاں سے گئے، جو اس دعوے سے آئے تھے کہ دنیا کو ''تہذیب'' سکھانے نکلے ہیں White man's burden کی اصطلاح آپ نے انگریزی اور فرانسیسی کتب میں سنی ہوگی کہ ''وائٹ مین'' کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ کالوں اور رنگ داروں کو تعلیم وتہذیب سے آشنا کرے۔ جب وہ تعلیم وتہذیب سے آشنا کر کے چلا گیا تو ۱۹۴۷ء میں پنجاب میں تعلیم کی سطح چار فیصد تھی۔ گویا وہ ایک تعلیم یافتہ قوم کو تعلیم سے محروم کرنے کے لئے آئے تھے، کم از کم نتائج اور ثمراتِ بدنے یہی دکھایا۔ واقعات نے یہی بتایا کہ Educated (تعلیم یافتہ) قوم کو De-educate (غیر تعلیم یافتہ) کرنے کے لئے آئے تھے۔

برصغیر کے مسلمانوں کی تعلیم میں ایک نمایاں چیز یہ ہے کہ جو نظام تعلیم یا نصاب تعلیم وہاں کے اہل علم نے وضع کیا، دین ودنیا دونوں کی جامعیت کا آئینہ دار تھا، اس نظام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے مجدد الف ثانیؒ جیسے بزرگ بھی پیدا کیے جن کے بارے میں علامہ اقبال نے ایک جگہ لکھا ہے:

"The Greatest religious gent as produced"

کہ مسلم ہندوستان میں سب سے بڑا مذہبی عبقری جو پیدا ہوا ہے تو وہ حضرت مجددؒ کی ذات گرامی ہے۔ شیخ احمد سرہندیؒ اور نواب سعد اللہ خانؒ دونوں ایک ہی استاذ کے شاگرد تھے۔ نواب سعد اللہ خان وہ سیاست دان ہیں جو شاہ جہاں کے دور میں پورے ہندوستان کے وزیر اعظم تھے۔ یعنی موجودہ افغانستان، موجودہ پاکستان، موجودہ ہندوستان، موجودہ مشرقی پاکستان، موجودہ سری لنکا اور موجودہ نیپال کم از کم یہ چھ ملک اتنی بڑی سلطنت میں شامل تھے، جس کے نواب سعد اللہ کم از کم اڑتالیس سال وزیر اعظم رہے۔

گویا بڑی بڑی سلطنتیں چلانے والے مدبرین اور اعلیٰ سے اعلیٰ دینی قیادتیں فراہم کرنے والے بزرگان (جو مجدد الف ثانیؒ کے درجے کے لوگ ہوں) وہ اسی ایک نظام تعلیم نے پیدا کیے۔ ''تاج محل'' جس مہندس (انجینئر) نے بنایا وہ امریکہ یا برطانیہ کا تربیت یافتہ نہیں تھا (بلکہ) وہ اسی نظام تعلیم کا ہی پڑھا ہوا تھا، انہیں چٹائیوں پر بیٹھ کر یہی صرف ونحو کی کتابیں پڑھ کر اور یہی ریاضی اور ہندسہ کی کتابیں ہی اس نے پڑھیں، شرح جامی (شرح چغمینی) ہی پڑھ کر وہ محدث بنا تھا، جس سے اس نے ''تاج محل'' جیسی عمارت جو آج دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک ''نمایاں'' عجوبہ ہے تعمیر کیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ طویل تعلیمی روایت جو ایک دن یا ایک ایک عشروں پر مشتمل نہیں تھی، بلکہ جس کے پیچھے بارہ سو سال کی تاریخ تھی، جس کے پیچھے ایسے ایسے نامور ترین اہل علم مصنفین وشارحین موجود تھے، جن کی کتب آج بھی دنیائے عرب کی یونیورسٹیوں میں زیر تدریس ہیں، آپ نے محب اللہ بہاری کا نام سنا ہوگا، جو اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں صدر الصدور رہے، یعنی ''محتسب اعلیٰ'' کے عہدے پر فائز رہے، ان کی دو کتابیں ہیں جو درس نظامی میں مشہور ہیں۔ ایک منطق میں ہے ''سلم العلوم'' اور ایک اصول فقہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے ''مسلم الثبوت''، مسلم الثبوت کے بارے میں دیکھ کر مجھے انتہائی خوشی ہوئی (جیسے سیروں خون بڑھ جاتا ہے) مجھے آج سے کئی سال قبل استنبول جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں کے ایک جدید ترین ادارے میں جانے کا موقع ملا۔ عشاء کی نماز کے بعد میں نے دیکھا کہ طلباء درس گاہوں میں تیاری کر رہے تھے۔ ان کے ہاسٹلوں کے کمروں میں دیکھا تو تیاری کر رہے تھے، ایک نوجوان کے ہاتھ سے میں نے ایک کتاب لے کر دیکھی تو وہ ''فواتح الرحموت'' تھی، جو مسلم الثبوت کی شرح ہے اور شرح بھی برصغیر کے ایک عالم مولانا عبدالعلیؒ کی لکھی ہوئی ہے۔ گویا ''شرح اور متن'' دونوں برصغیر کے ایک عالم کے لکھے ہوئے اور بیسویں صدی کے آخری عشرہ میں (۱۹۹۵ء) استنبول کی ایک درس گاہ میں لوگ اس سے استفادہ کر رہے ہیں، آج دنیا کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشے تک چلے جائیں، مراکش سے لے کر انڈونیشیاء تک، آپ تفسیروں میں علم حدیث کی روح میں، فن رجال میں ''فن رجال اور جرح وتعدیل'' جو علم حدیث کے مشکل ترین فن مانے جاتے ہیں، جرح وتعدیل پر سب سے بہتر کتاب جو پورے چودہ سو سال میں ایک مصنف نے لکھی، وہ ہمارے برصغیر کے ایک عالم نے لکھی ہے۔ ''الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل'' شیخ ابو الفتاح ابو غدہ نے اس کو ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے، شیخ ابو الفتاح ابو غدہ کی رائے ہے کہ ''جرح وتعدیل'' پر اس سے بہتر کتاب پورے ذخیرہ حدیث کے ادب میں موجود نہیں ہے۔

یہ مثالیں جس میں اضافہ کیا جاسکتا ہے اور ایسی سینکڑوں، ہزاروں مثالیں دی جاسکتی ہیں اور یہ مثالیں دینے کا وقت نہیں ہے۔ لیکن جو بات میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ دینی علوم میں تعمق، گہرائی ومہارت کے یہ نمونے ہیں، جو ہمارے سامنے ہیں۔ دوسری طرف دنیاوی تقاضوں کی تکمیل کا سامان اس حد تک ہے کہ بڑے سے بڑے مہندس (علم ہندسہ کے ماہر) جو سات عجائبات میں سے ایک عجوبہ تیار کر کے دکھا دیں، ایسے مدبر جو چھ ممالک پر مشتمل سلطنت کو کامیابی سے ۴۸ سال تک اس طرح چلا کر دکھا دیں کہ ہندوستان کو پورے یورپ میں اس زمانے میں ''سونے کی چڑیا'' کہا جاتا تھا۔ اور شاہجہان کے زمانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ہندوستان کی دولت، ہندوستان کی معاشی ترقی اور برصغیر کے مسلمانوں کی خوشحالی نے انگریز تاجروں کو، ڈچ اور ولندیزی تاجروں کو آمادہ کیا کہ وہ یہاں آئیں اور یہاں آکر تجارت کریں۔ اس تجارت کا آغاز شاہجہان کے دور ہوا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ روایت کیوں کمزور پڑی اور وہ روایت کیسے ختم ہوئی۔

تابناک روایت کی آخری مثال:

آپ نے نام سنا ہوگا سر ولیم میور، جو یوپی کا لیفٹیننٹ گورنر تھا۔ اس نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ اسلام دشمنی میں اور ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے بارے میں بدگوئی کرنے میں جو چند نمایاں اور بدنام ترین مستشرقین ہیں۔ ان میں سے ایک ہے، جس کے جواب میں سرسید احمد خان نے اپنی مشہور کتاب لکھی تھی، اس نے لکھا کہ ''مجھے ہندوستان کے بعض تعلیمی اداروں میں اور مدارس میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں طلباء جو منطق وفلسفہ وہندسہ کے طالب علم تھے، ان سے میں نے تبادلہ خیال کیا تو میں نے یہ محسوس کیا کہ ان کی سطح (طلباء کی جو فکری سطح) ہے وہ آکسفورڈ، کیمبرج کے طلباء سے کسی طور پر بھی کم نہیں''۔ وہ تقریباً ۱۸۲۴ء سے ۱۸۶۰ء کے قریب یوپی اور پنجاب کا لیفٹیننٹ گورنر رہا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے، جب اس نے ان مدارس کا دورہ کیا تھا۔ اس کے بعد آپ دیکھیں کہ یک بیک یہ ساری روایت ادھر سے ادھر تک مٹادی گئیں اور ایسا لگا کہ برصغیر میں ان چھ ملکوں پر مشتمل ''براعظم'' میں کوئی ایک روشنی کی کرن بھی باقی نہیں رہی کہ وہاں سے دینی تعلیم کے چشمے یا دینی تعلیم کی روشنی پیدا ہوسکی ہو۔ ۱۸۵۷ء سے لے کر ۶۷۔۱۸۶۵ء تک جب دارالعلوم دیوبند قائم ہوا اور اس طرح کے دوسرے ادارے قائم ہوئے، یہ پورا عشرہ انتہائی تاریکی کا عشرہ معلوم ہوتا ہے۔ کیوں؟ یہ کیسے ہوا؟

اس کے لئے انگریز نے چار بڑے اقدامات کئے اور ان چار بڑے اقدامات کے نتیجے میں یہ ساری روایت دس سال کے عرصہ میں زمین بوس ہوگئی پھر ایک طالب علم اور معلم دونوں کا نام ''محمود'' (اتفاق سے میری خوش قسمتی ہے کہ میرا نام بھی محمود ہے) ایک انار کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درخت کے نیچے نے ایک نئی روایت کا آغاز کیا۔

انگریز چار بڑے اقدامات:

۱۔ سب سے پہلے انہوں نے فارسی اور عربی زبان کو ختم کیا اور سرکاری زبان انگریزی قرار دے دی۔ جس کے نتیجے میں وہ تمام لوگ جو ۱۸۵۷ء تک تعلیم یافتہ سمجھے جاتے تھے، وہ سب کے سب سرکاری اور انتظامی مناصب کے لحاظ سے اور ان کے تقاضوں کے مطابق غیر تعلیم یافتہ ہوگئے، چشم زدن میں اس نے ایک روایت کو کھول دیا، حالانکہ یہ اس معاہدے کی شدید خلاف ورزی تھی، جو ۱۷۶۲ء میں اس واقعہ سے تقریباً ۹۰ سال پہلے شاہ عالم ثانی اور انگریز کی ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان باقاعدہ طور پر طے پایا تھا۔ آپ کو پتہ ہوگا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب ہندوستان کے تین چار صوبوں پر قبضہ کرلیا اور انگریزی طاقت برصغیر میں ایک مسلم قوت بن گئی، تو اس زمانے کا مسلم فرمانروا شاہ عالم ثانیؒ کے سامنے اب دو آپشن (دو صورتیں) تھے۔ یا تو مرہٹوں اور جاٹوں کی متحدہ طاقت کو ابھرنے دے اور برصغیر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس طرح کا ''اکھنڈ بھارت'' بنا دے کہ مسلمانوں کا وجود ہی ختم ہو جائے یا پھر انگریزوں سے کوئی معاملہ کر کے ان کی قوت کو تسلیم کرلے اور انگریزوں سے مطمئن ہو نے کے بعد ہندوؤں اور جاٹوں سے نمٹنے کی کوشش کرے۔

آج مصنفین، مؤرخین بہت سی باتیں کہتے ہیں کہ یہ ہوتا، وہ ہوتا، یہ کرنا چاہئے تھا، لیکن اصل فیصلہ تو اس آدمی نے کیا، جو اس فیلڈ پر تھا کہ انگریزوں کے ساتھ معاہدہ کر کے ان کی قوت کو تسلیم کرنا چاہئے اور یقیناً قوت کو جاٹوں، مرہٹوں اور سکھوں کے متحدہ محاذ سے نمٹنے کے لئے استعمال کرنا چاہئے، اس معاہدہ میں جو الہ آباد میں ہوا تھا، اس میں انگریزوں نے یہ شرط تسلیم کی تھی کہ ''برصغیر میں حکمرانی مسلمان فرماں روا کی ہوگی'' ہم نے اپنے بچپن میں اپنی دادی سے سنا تھا کہ سرکاری اعلان ان الفاظ میں ہوا کرتا تھا کہ ''خدائی اللہ کی، ملک بادشاہ کا اور حکم کمپنی بہادر کا'' گویا یہ اس معاہدہ کا ایک نمونہ تھا، جو شاہ عالم ثانی نے انگریزوں سے کیا تھا کہ ''سیاسی اقتدار دستوری اور آئینی طور پر مسلمان کا رہے گا۔ شریعت کی بالادستی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوگی، عدالتیں، ''قانون شریعت'' کے مطابق فیصلے کریں گی اور فقہ حنفی کے ماہر قاضی مقرر کئے جائیں گے، جو فقہ حنفی کے مطابق عدالتوں میں مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کریں گے''۔

یہ تحریری معاہدہ باقاعدہ ۶۲۔ ۱۷۶۱ء میں ہوا، اور شاہ عالم ثانی کے ساتھ انگریزوں نے طے کیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے ادارے موجود تھے، مسلمانوں کی تعلیمی روایات پہلے کی طرح جاری تھیں۔ معاشرہ میں جب کسی چیز کی طلب اور ڈیمانڈ نہ ہوتو اس وقت تک وہ چیز پیدا ہی نہیں ہوتی۔ ہاں جب معاشرہ میں ایک چیز کا چلن ہو جائے تو پھر معاشرہ میں خود بخود وہ چیز سامنے آجاتی ہے۔ یہ طلب اور رسد کا ایک عام اصول ہے۔

لیکن انگریزوں نے اس معاہدہ کو نظر انداز کیا اور ۱۸۵۷ء میں انہوں نے انگریزی قانون مکمل طور پر نافذ کردیا۔ سرکاری زبان فارسی وعربی کو ختم کر کے انگریزی قائم کردی، مسلمانوں کے اوقاف ختم کردیئے اور انگریزی قوانین ایک ایک کر کے نافذ کرنا شروع کردیئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان تعلیمی اداروں کو امداد دینے والے اوقاف تھے وہ ختم ہوگئے اور چونکہ مسلمانوں کی جاگیریں اور جائیدادیں انگریز نے ضبط کرلی تھیں، اس لئے مسلمان مزید اداروں کو امداد دینے کی پوزیشن میں نہ تھے۔ یہ صورت حال ایسی تھی جو ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک جاری رہی۔

یہ اللہ رب العزت کی مہربانی تھی کہ برصغیر کی مسلم کمیونٹی میں ایک جان تھی، ایک احساس تھا اور ایک شعور تھا جو ہمیشہ تازہ اور بیدار رہا۔ انہوں نے انگریزوں کی قوت وکاوش کے باوجود دینی مدارس کی روایت کو زندہ رکھا، لیکن دینی مدارس کے اس نصاب میں ذرا تبدیلیاں بھی ہوئیں، اس روایت میں جو ۱۸۵۷ء سے پہلے تک چلی آرہی تھی۔ بہت سے ایسے علوم بھی شامل تھے جن کو آپ اس زمانے کے لحاظ سے ''دنیاوی علوم'' کہہ سکتے ہیں۔ اس میں ''طب'' بھی پڑھائی جاتی تھی، اس میں ''ہندسہ'' بھی پڑھایا جاتا تھا، اس میں ''ریاضی'' بھی پڑھائی جاتی تھی، اس میں سائنس بھی پڑھائی جاتی تھی۔ الغرض وہ تمام علوم اس زمانے میں ناگزیر تھے، وہ سارے ہی پڑھائے جاتے تھے وہ کتب آج بھی موجود ہیں اور آج بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسے علماء و ماہرین موجود ہیں جو ان کتابوں کو پڑھتے اور پڑھاتے رہے۔

اب چونکہ ان علوم کی ضرورت نہیں تھی، تو اس لئے اس زمانے کے علماء نے دینی تخصصات پر، دینی مہارتوں پر اور (صرف) دینی علوم وفنون پر ہی زیادہ زور دیا۔ اور تقریباً ۹۰ سال کی مسلسل کاوشوں کے ذریعے مسلمان قوم کو زندہ رکھا، اسلامی تعلیم کو زندہ رکھا۔ مسلمانوں کی اسلام سے وابستگی اسی طرح باقی رہی جس طرح ۱۸۵۷ء سے پہلے باقی تھی۔

آپ حضرات میں سے بعض کے علم میں ہوگا کہ ۱۹۴۰ء میں ''قرارداد پاکستان'' کے منظور ہونے کے فوراً بعد قائد اعظم محمد علی جناح کے اشارے پر مسلم لیگ نے ماہرین کی ایک کمیٹی قائم کی تھی، جس میں اس دور کے جدید ترین اہل علم کو رکھا تھا اور خیر المدارس اور حضرت مولانا خیر محمدؒ کے حوالہ سے میں یہ عرض کر سکتا ہوں کہ اس میں جن اہل علم کو دعوت دی گئی وہ (تقریباً) سب کے سب وہ تھے جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی روایت اور سلسلہ سے وابستہ تھے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ اس کمیٹی کے چیئرمین تھے۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، مولانا عبدالباری ندویؒ، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (ان کا اس سلسلہ سے تعلق نہیں تھا، لیکن وہ بھی اس کے رکن تھے) ڈاکٹر ذاکر حسین خان جو مولانا محمد الیاس صاحبؒ بانی تبلیغی جماعت کے معتقد اور مرید تھے میں ہندوستان کے صدر ہوئے، اس کمیٹی کے رکن تھے۔ ایک دو اور حضرات بھی کمیٹی میں تھے۔ اس کمیٹی کے ذمہ کام یہ تھا کہ نئی نئی معرض وجود میں آنے والی ریاست کے لئے تعلیم وثقافت کا ایسا نظام وضع کرے جس کے بموجب نئی ریاست کو اسلامی تقاضوں پر اس کے نظام تعلیم کو اسلامی تقاضوں کے مطابق نئے انداز سے مرتب کیا جا سکے۔

اس کمیٹی کے ذمہ تین کام تھے: ۱۔ نظام تعلیم، ۲۔ نظام معیشت، ۳۔ نظام سیاست۔ نظام سیاست کا خاکہ اس نے تیار کیا تھا جو مطبوعہ موجود ہے۔ نظام معیشت کا ابتدائی خاکہ تیار کیا جو ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں ضائع ہو گیا۔ تعلیم وثقافت کے نظام میں یا تو کمیٹی کو کام کرنے کا موقع ہی نہیں ملا یا اس کی رپورٹ سامنے نہیں آئی۔ لیکن اس سے یہ ضرور اندازہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوسکتا ہے کہ مسلم لیگ کے صف اول کے قائدین کے دل میں اس کا احساس موجود تھا اور اس دور کے جن اہل علم کو اس کام کے لئے مناسب سمجھا، ان اہل علم کو ہی دعوت دی۔

پاکستان بننے کے بعد تین مہینے کے اندر اندر ۱۹۴۷ء میں قائد اعظم محمد جناحؒ کے کہنے پر پاکستان میں پہلی تعلیمی کانفرنس بلائی گئی، جس میں مشرقی و مغربی پاکستان سے ماہرین تعلیم کو دعوت دی گئی تھی۔ قائد اعظم نے اس کانفرنس کے نام ایک پیغام بھیجا۔ اس میں انہوں نے لکھا کہ ''موجودہ نظام تعلیم ہماری ضروریات کی تکمیل نہیں کرسکتا اور ہمیں ''رائٹ ٹائپ آف ایجوکیشن'' (مثبت نظام تعلیم) کے لئے اقدامات کرنے چاہئیں''۔ اس کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ اللہ نے ان کو بڑے وسائل دیئے تھے، بڑی دولت دی تھی۔ پوری زندگی میں جو کمایا تھا وہ تحریک پاکستان میں وقف کیا۔ ان کی وہ دولت جو انہوں نے ذاتی کمائی سے چھوڑی تھی، اس کے بارے میں کیا وصیت کی؟ یہ بڑی اہم بات ہے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میری یاد میں کوئی بڑا محل بنا دینا۔ انگریزی سیکھنے کے لئے دے دینا، بلکہ انہوں نے کہا کہ اسلامیہ کالج پشاور، اسلامیہ کالج لاہور، علی گڑھ یونیورسٹی اور سندھ مدرسۃ الاسلام (ان چار اداروں کو) جائیداد دے دی جائے۔ گویا وہ ادارے جو اس وقت ایسے ادارے تھے جو جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تربیت کا بھی اہتمام کررہے تھے جو اسلامی تعلیم کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے جدید علم کے ساتھ ملا کر پیش کررہے تھے (اس وقت جو بھی سطح تھی) ان چار اداروں کے اپنی جیب کمائی کے بارے میں وصیت کی۔ یہ میں نے اس لئے عرض کیا کہ بعض اوقات یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ پاکستان میں تعلیم کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں گیا یا پاکستان کے مؤسسین نے نئی ریاست کی تعلیمی ضروریات کا کبھی احساس نہیں کیا۔

احساس ہوا، لیکن ان کے جانے کے بعد۔ بعد میں جو لوگ آئے (علامہ اقبالؒ کا مصرعہ ہے، کسی خاص آدمی کی طرف اشارہ مقصود نہیں)......

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کا نشیمن

یہاں پر ''ہیں'' کے بجائے ''رہے'' اس لئے کہا ہے کہ اس طرح نیں بھی اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زد میں آؤں گا، لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں ''زاغوں کے تصرف میں رہے عقابوں کے نشیمن''۔ سوال یہ ہے کہ آج اگر اس بات کا احساس پیدا ہوگیا ہے اور یہ ایک انتہائی خوش آئندہ بات ہے کہ مولانا محمد حنیف جالندھری اور ان کی طرح کے بعض دوسرے علمائے کرام کے دل میں اللہ نے یہ بات ڈالی کہ مستقبل میں پاکستان کی تعمیر کے لئے تعلیم پہلا قدم ہے اور تعلیم ہی سے وہ نسل پیدا ہوسکتی ہے جو پاکستان کو اس کے مفہوم میں ''اسلامی ریاست'' بنائے جس مفہوم میں اسلامی ریاست ہم اور آپ دیکھنا چاہتے ہیں۔

سچی بات یہ ہے کہ ''دورِ جدید'' ایک پیچیدہ دور ہے۔ اس دور کے ادارے، تصورات اور اس دور کے جتنے معاملات ہیں وہ اتنے پیچیدہ اور اتنے پھیل چکے ہیں کہ اس کے لئے بڑی مہارتیں درکار ہیں۔ اس وقت پاکستان میں مثال کے طور پر ''بلا سود بینکاری'' کا ایک بڑا چیلنج درپیش ہے۔ سپریم کورٹ کے فیصلے پر عملدرآمد کا کام جاری ہے۔ لیکن پاکستان میں کتنے ایسے لوگ ہیں (میں انتہائی دردمندی اور دیانت سے عرض کرتا ہوں) کہ اگر کل یہ فیصلہ ہو کہ پاکستان کے سارے بینکوں کو چلانے کے لئے شریعت کے ایسے ماہرین درکار ہیں جو شریعت کا بھی عمیق علم رکھتے ہوں اور جدید بینکاری کے تقاضوں کو مکمل طور پر سمجھتے ہوں، اس طرح کہ دنیا بھر کی سطح پر بینکاروں سے مقابلہ کرسکیں۔ دنیا بھر کے بینک مسلمانوں بینکاروں کو چلنے نہیں دیتے۔ B.C.C.I کو چلانے والے کوئی مذہبی لوگ نہیں تھے اور نہ ہی وہ مذہبی انداز میں چلا رہے تھے، لیکن چونکہ مسلمانوں کا تھا، دولت زیادہ تر مسلمانوں کی تھی۔ اس کا فائدہ کچھ مسلمانوں کو ہو رہا تھا، اس لئے اس کے ساتھ جو حشر ہوا، وہ آپ کے سامنے ہے۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں کہ جہاں اس چیلنج کا مقابلہ کرنا خاصی فنی مہارت کا تقاضا کرتا ہے۔ وہ فنی مہارتیں جہاں ہیں، وہاں شریعت کا علم نہیں ہے اور جہاں شریعت کا علم ہے وہاں فنی جدید مہارتیں نہیں ہیں۔ تو کیا یہ ہم پر فرض کفایہ نہیں کہ ہم شریعت کے ایسے ماہرین پیدا کریں جو دینی ماحول، دینی تربیت اور دینی ذوق و مزاج کے ساتھ ساتھ دورِ جدید کے معیار کی فنی مہارت بھی رکھتے ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول مجھے یاد آتا ہے، جسے میں اکثر بیان کرتا رہتا ہوں ایک دفعہ کسی ذمہ داری پر تعین کے لئے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر رہے تھے تو لوگوں نے ایک خاص شخص کا نام لیا کہ جی وہ بہت نیک آدمی ہیں، بڑے بزرگ اور تہجد گزار ہیں اور اخیر میں فرمایا وہ اتنے نیک ہیں: **کانہ لایعرف الشر** ''گویا وہ شر کو جانتے ہی نہیں''، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسا آدمی نہیں چاہئے جو شر نہیں جانتا۔ اس لئے کہ **اذا شک ان یقع فیہ** ''جو شر کو نہیں جانتا وہ شر میں جلدی مبتلا ہو جائے گا''۔ وہ تو شر کا شکار ہو جائے گا۔ اس لئے ایسا آدمی ہو جو ''خیر'' کو بھی جانتا ہو اور شر کو بھی جانتا ہو۔

امام احمد بن حنبلؒ سے زیادہ متبع سنت اور شریعت کا مزاج شناس کوئی نہیں گزرا۔ اسلام کے ایک بہت بڑے مزاج شناس نے لکھا ہے کہ محب سنت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کو امام احمد بن حنبل کی ذات سے محبت ہو، جس کے دل میں امام احمد بن حنبلؒ کی محبت ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو سنت رسول ﷺ سے محبت ہے ان سے کسی نے مشورہ کیا کہ فلاں جگہ جہاد کا معاملہ درپیش ہے، مختلف علاقوں سے فوجیں اور دستے مجاہدین کے جا رہے ہیں اور رضا کاروں کے، ایک فوجی کمانڈر کی سربراہی میں ایک بڑا دستا تیار ہو رہا ہے جو بڑا متقی و پرہیز گار ہے، بڑا نمازی اور تہجد گزار ہے، لیکن سیاسی وعسکری معاملات میں وہ خاص ماہر نہیں ہے۔ ایک دوسرا شخص ہے جو زیادہ دیندار اور نیک تو نہیں لیکن اس کی عسکری مہارت بڑی مسلم ہے۔ تو ہمیں کس کے ساتھ جانا چاہئے؟ (ہم اللہ کی رضا کے لئے جا رہے ہیں) امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: ''جو شخص نیک و متقی ہے لیکن عسکری مہارت میں کم درجہ رکھتا ہے اس کے نیکی و تقویٰ کا فائدہ اس کی ذات کو ہوگا اور عسکری عدم مہارت کا نقصان پوری قوم اور فوج کو ہوگا۔ جو شخص زیادہ نیک نہیں ہے اس کے نیکی کی کمی کا نقصان تو صرف اسی کو ہوگا، لیکن اس کی ''عسکری مہارت'' کا فائدہ پوری مسلمان قوم کو ہوگا۔

فنی مہارتیں ہر دور کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہیں، ایک زمانہ تھا منجنیق کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہؓ کو یمن بھیجا کہ منجنیق بنانا سیکھ کر آئیں اور وہاں سے لے کر بھی آئیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے معرکہ میں وہ استعمال بھی فرمائیں۔ منجنیق کو آج کے ''ٹینک'' کا پیش رو کہہ سکتے ہیں، وہ ایک بہت بڑی گاڑی ہوا کرتی تھی، جو قلعوں کی دیوار توڑنے کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ اس پر بڑی چٹان یا بڑے پتھر رکھ دیئے جاتے اور لکڑی سے پتوار قسم کی ایک چیز کھینچی جاتی تو ایک شدید ضرب کے ساتھ ایک اسپرنگ کے ساتھ پتھر نکلتا اور قلعے کی دیوار پر لگتا تو قلعے کی دیوار ٹوٹ جاتی تھی۔ تو صحابہ کرامؓ نے یمن کے عیسائیوں سے اس کی تعلیم سیکھی اور پھر آ کر اس مہارت کو طائف کی فتح میں استعمال فرمایا امام غزالیؒ نے ''احیاء العلوم'' میں اور ابن تیمیہؒ نے ''السیاسۃ الشرعیۃ'' میں لکھا ہے کہ ایسی تمام مہارتوں وتخصصات کا حاصل کرنا مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ ہے۔ جس کی وجہ سے مسلمان غیر مسلموں کے محتاج نہ رہیں۔ مسلمانوں کو غیر مسلموں کی محتاجی سے بچانا اور ان کو اپنے تمام دینی و دنیوی معاملات میں خود کفیل بنانا مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ ہے۔ امام غزالیؒ نے اس پر ایک پورا باب لکھا ہے۔ اس دور میں فقہ کی تعلیم سے دنیا کے بھی بڑے فائدے ملتے تھے۔ آدمی فقہ پڑھ کر قاضی بن جاتا تھا، مفتی بن جاتا، وزیر اور گورنر بن جاتا تھا۔ امام غزالیؒ کا کلاس فیلو نظام الملک طوسی پوری سلطنت کا بادشاہ بنا۔ تو امام غزالیؒ نے لکھا کچھ لوگ (طلباء) فقہ تو بہت پڑھتے ہیں، لیکن طب و ہندسہ کوئی نہیں پڑھتا (اس زمانے میں الٹ، آج لوگ میڈیکل اور انجینئرنگ تو پڑھتے ہیں لیکن فقہ نہیں پڑھتے امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں شکایت کی ہے اور اس بات کی تاکید کی ہے کہ لوگوں کو ان علوم (طب و ہندسہ) کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے، اس لئے کہ یہ فرض کفایہ ہے اور ان کے نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان غیر مسلم طبیبوں اور مہندسین کا محتاج رہے گا اور اس احتیاجی کو ختم کرنا مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ ہے۔

آج واقعہ یہ ہے کہ قیادت جس طبقہ کے ہاتھ میں ہے وہ طبقہ ایک خاص انداز کا تربیت یافتہ ہے ۱۸۳۵ء سے لے کر لارڈ میکالے کے زمانے سے آج تک، چار، پانچ نسلیں اس طبقہ کی ایک خاص ماحول میں گزری ہیں ... تعلیمی ادارے ہیں، اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اپنے ماحول ہیں، یہ طبقہ اپنے قرب و جوار میں سڑک بھی نہیں بننے دیتا، پرائمری اسکول بھی نہیں بننے دیتا، لیکن اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے اس نے ادارے بنا رکھے ہیں، ان کے آپس کے سیاسی اور ہر طرح کے دوسرے اختلافات کے باوجود جس تعلیمی ادارے میں ان کے بچے پڑھتے ہیں، وہاں ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ گویا یہ مفادات کی جنگ ہے۔ اس کے بعد جب یہاں ان کی تعلیم ہو جاتی ہے، جن کو گھر میں بائیں ہاتھ سے کھانے اور انگریزی سکھانے کے لئے انگریز نرسیں رکھی ہوتی ہیں، وہ ان کو سکھا دیتی ہیں، اس کے بعد ان کو انگلستان کے اضافی تعلیمی اداروں میں بھیج دیتے ہیں اور وہاں اعلیٰ ترین تربیت پاکے وہ یہاں آکر ہم پر حکومت کرتے ہیں، یہ پچھلے ڈیڑھ سو یا دو سو برس سے ہو رہا ہے۔

اب ایک صورت یہ ہے کہ جیسے یہ سلسلہ چل رہا ہے اس کو آپ چلنے دیں، وہ ہم پر حکومت کرتا رہے اور رہا سہا جو اسلام کے جزیرے میں طوفان مٹی گرا رہا ہے، یہ جزیرہ سمٹتا جائے اور نہ معلوم کہاں تک پہنچ جائے۔ ایک شکل یہ ہے کہ آج اس طبقہ کا اسلحہ سے مقابلہ کریں اور جس اسلحہ سے کام لے کر وہ طبقہ اسلام کا راستہ دانستہ یا نادانستہ طور پر روک رہا ہے (اس طبقہ میں اکثر لوگ نادانستہ لگے ہوئے ہیں) اس طبقہ کے ہتھیار لے کر اسلام کا دفاع کریں، آج سے تقریباً تیرہ سو سال پہلے جب یونانیوں کے علوم وفنون کا ترجمہ عربی زبان میں شروع ہوا۔ یونانی منطق جو علماء و فضلاء کی بنائی ہوئی نہیں تھی۔ ارسطو اور افلاطون کوئی متقی لوگ نہیں تھے، بلکہ بت پرست لوگ تھے (یہ سب مشرکین تھے) لیکن جب انہوں نے منطق کا علم تیار کیا اور وہ مسلمانوں میں آیا تو بعض اہل علم کی رائے تھی کہ اس کو نہیں سیکھنا چاہئے، اس زمانے کے فتاویٰ موجود ہیں، کہ منطق کا علم سیکھنا ناجائز اور حرام ہے۔ منطق اور یونانی علوم سے اس حد تک نفرت تھی کہ بعض کی رائے یہ بھی تھی کہ منطق نہ سیکھی جائے، جیسے آج ہماری بعض محترم شخصیتوں کی رائے ہے، لیکن ایک بڑی رائے یہ بھی تھی اور تاریخ نے ثابت کیا کہ یہ رائے زیادہ صائب اور درست تھی کہ یونانی علوم وفنون کو سیکھ کر ہم اس کا جائزہ لیں کہ کیا چیز غلط ہے اور کیا چیز قابل قبول ہے؟ جو غلط ہے، اس کی دلائل سے تردید کر کے نظر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انداز کردیں اور جو لوگ اس کا شکار ہیں ان کو بھی اس (منطق) سے محفوظ کریں اور جو مفید ہے وہ مسلمانوں کے لئے حکمت اور گمشدہ میراث ہے۔ خذ ما صفی، دع ما کدر یعنی ''جو صاف اور اچھا ہے اسے لے لو اور جو گندہ، غلط اور مکدر ہے اس کو نظر انداز اور مسترد کردو''۔

چنانچہ اس طبقہ کے اہل علم نے جو رائے اختیار کی تھی، تاریخ نے ثابت کیا کہ یہی رائے صائب تھی یہاں تک کہ یہ کیفیت ہوئی کہ پھر وہ منطق اور فلسفہ جس سے شروع میں مسلمانوں کو خطرہ تھا کہ شاید مسلمانوں کے دین و ایمان اس سے متاثر ہوں، اس فلسفہ اور منطق سے مسلمانوں نے اسلام کی خدمت کا کام لیا۔

امام غزالیؒ کی کتاب ''المصفی'' اٹھا کر دیکھ لیں جو ''اصول فقہ'' کی کتاب ہے، لیکن یہ ساری منطقی اصولوں پر منطبق ہے۔ اگر کوئی منطق کی اصطلاحات نہ جانتا ہو تو کتاب نہیں سمجھ سکتا۔ امام رازیؒ کی جو ''تفسیر کبیر'' ہے وہ ساری منطق و فلسفہ کی ہی اصطلاحات سے بھری ہوئی ہے۔

اصول فقہ کی ایک بہترین کتاب جسے اگر میں یوں کہہ دوں دنیا کے پورے ''قانون ادب'' میں جب سے ''قانون'' کے نام سے ایک فن روئے زمین پر موجود ہے اور آج تک کوئی کتاب ایسی موجود نہیں ہے جو اپنے تعمق و گہرائی میں اس کا مقابلہ کر سکے۔ ایک امام شاطبیؒ کی کتاب ''الموافقات'' ہے۔ ''الموافقات فی اصول الشریعہ'' یہ چار جلدوں میں ہے اور جتنے علوم وفنون امام شاطبی کے زمانے میں موجود تھے اور اس وقت تک انسانیت نے جو کچھ بھی حاصل کیا تھا۔ اس سب کو انہوں نے شریعت کے احکام کی ابدیت اور معقولیت کو ثابت کرنے کے لئے استعمال کیا۔ اس سے اونچی کتاب آج تک قانون روایت میں نہیں لکھی گئی، اگر کوئی آدمی منطق نہ جانتا ہو تو وہ اس کتاب سے استفادہ نہیں کر سکتا۔

شاہ ولی اللہؒ کی ''حجۃ اللہ البالغہ'' جس کو برصغیر کی بہترین مستند تصنیف کہا جاتا ہے، برصغیر میں اس سے بہتر کتاب اسلام کے فلسفہ پر لکھی ہی نہیں گئی، ہمالیہ کے جنوب میں یہ لکھی جانے والی کتاب [illegible] ہے وہ بھی [illegible] کی ساری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یونانی علوم وفلسفہ کی اصطلاحات سے بھرپور ہے اور بھی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں، لیکن ان مثالوں سے اندازہ ہوگا کہ وہ چیز جو پہلے ''خطرہ'' سمجھی گئی وہ بعد میں ''خادم'' بن گئی۔ اسلام خادم بننے کے لئے نہیں آیا، مخدوم بننے کے لئے آیا ہے، جو چیز ''مخدوم'' بن کر اسلام کے کیمپ میں داخل ہوتی ہے، بالآخر اسے ''خادم'' بننا ہی پڑتا ہے۔ تاتاریوں کی مثال لے لیں کہ تاتاریوں نے سات سو سال تک اسلام کی سرحدوں کا دفاع کیا۔ انہوں نے بغداد کو تباہ کیا تھا۔ جنھوں نے دریاؤں کے پانی کتابوں (کی سیاہی) سے سیاہ کر دیئے تھے۔ انہوں نے ہی اسلام کا سات سو سال تک دفاع کیا۔

آج اگر انگریز (اگرچہ تاخیر ہوگئی ہے، لیکن اس تاخیر) کی وجہ سے کچھ انگریزی خواں مسلمانوں میں مخدوم بننا چاہتے ہیں یا بنے ہوئے ہیں تو یہ ایک عارضی اور وقتی چیز ہے۔ انشاء اللہ انگریزی زبان اور یہ جدید کمپیوٹر، سائنس وٹیکنالوجی سب کی سب اسلام کی خادم بنیں گی اور اسلام کے لئے ''خادم سازی'' کا کام مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب ناظم اعلیٰ وفاق المدارس پاکستان نے شروع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے کام میں برکت دیں، اللہ تعالیٰ اس کام کو قبول فرمائیں، اللہ تعالیٰ ان کی مثالیں زیادہ سے زیادہ عام کریں، اللہ ان اداروں کی برکات کو پورے پاکستان اور پھر پوری دنیائے اسلام میں پھیلائے۔ یہ وقت کی انتہائی اہم ناگزیر ضرورت ہے۔ میں نے جو تھوڑی بہت شریعت کی تعلیم پائی ہے اور کم از کم پچھلے ۴۲ سال سے میرا یہی مشغلہ ہے، اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ اس دور میں فرض کفایہ ہے جو مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب پورا کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اور دوسرے حضرات بھی جید اہل علم کی سربراہی میں اسلامی روایت اور ذوق مزاج اور مذاق کا لحاظ رکھتے ہوئے، اسلامی تخصصات واسلامی تعلق کو برقرار رکھتے ہوئے، بقدر ضرورت جو علوم آج کے لئے ناگزیر ہیں، ان علوم کا اضافہ کریں گے۔

© rasailojaraid.com